BA Part - II

Paper - IV



سوال نمبر ۴ اقبال کی نظم "ملا اور بہشت" کا فنی جائزہ لیجئے؟

جواب: "ملا اور بہشت" محض چار اشعار پر مشتمل اقبال کی ایک مخصوص نظم ہے اس میں اقبال نے حضرت ملا، مولوی، ناصح اور واعظ کی حماقتوں اور ان کی تنگدلی، تنگ نظری، ان کی قیل و قال کی فطرت اور بحث و مباحثے کی عادت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ نیز ان پر اور ان کے کلام پر ملامت کی ہے لیکن ان کے طعن و تشنیع کا انداز بھی جداگانہ ہے اور ان کا طرز بھی دیگر شعراء سے مختلف ہے اقبال کے پیش نظر ہمیشہ انسان کی فلاح و بہبود تھی، وہ بنی نوع انسانی کی بھلائی اور بہتری کے ہمیشہ خواہاں رہے اور دوسروں کی بھلائی چاہنے والے والوں کا دل بہت بڑا، بے حد کشادہ ہوتا ہے اس کا نظریہ بلند اور وسیع ہوتا ہے۔ دوسروں کو سہارا دینا اس کا شیوہ ہوتا ہے اور دوسروں کے دکھ درد کو اپنا لینا اس کا کام۔ اس کے نزدیک دنیا کے تمام انسان ایک ہوتے ہیں وہ مذہب و ملت، ملک و قوم، ذاتیات، امیری غریبی کی تفریق کا قائل نہیں ہوتا اور اللہ والوں کی پہچان یہی ہے کہ وہ کسی کے بدخواہ اور دشمن نہیں ہوتے، بقول کلیم عاجز صاحب

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ      راہوں میں خواہ دوست یا دشمن کا گھر ملے

لیکن بدقسمتی سے تنگ دل اور تنگ نظر مذہبی پیشوا قیل و قال اور بحث و مباحثہ میں لگے رہتے ہیں اور اپنی اس طبیعت کی وجہ سے مختلف گروہوں اور جماعتوں اور قوموں غرض تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے رہتے ہیں اور ایک کے دل میں دوسرے کی طرف سے نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور کراتے رہتے ہیں۔ اقبال ان کی اس فطرت سے بیزار نظر آتے ہیں۔ لہذا اپنی اس بیزاری کا اظہار اپنی مخصوص نظم میں نہایت ڈرامائی طور پر یوں کرتے ہیں کہ روز قیامت جب اللہ کی طرف سے انہیں پروانۂ بہشت مل گیا، اقبال یہ دیکھ کر بے تاب و بے قرار ہو گئے۔ اسی اضطرابی کیفیت میں خداوند تعالیٰ سے اپنی غلطی کو معاف کراتے ہوئے نہایت ادب اور عاجزی سے یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اس ملا کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی لیکن اس شدہ کا خدا کو وہاں کی فضا اور وہاں کا ماحول وہاں کا کوئی پسند نہ آئے گا اور شاید یہ وہاں خوش بھی نہ رہ سکیں گے کیونکہ جنت میں لیث و تکرار، لڑائی جھگڑے، تو تو میں میں وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں، وہاں تو حسین باغ و سبزہ و شاداب اور خوشنما باغات ہیں۔ پینے کے لیے شراب طہور اور ساتھ اپنے کے لیے حوریں ہیں اور اس ملا کی فطرت میں بحث و تکرار ازل سے موجود ہے اسے اس کے بغیر چین و سکون مل ہی نہیں سکتا۔ اس نے دنیا میں رہ کر بھی قوم و ملت کو غلط باتیں بتائیں، غلط راہیں دکھائیں اور برائیوں میں الجھاتا رہا لیکن جنت میں اسے اس کا موقع نہیں مل سکے گا۔

غرض یہ نظم خوبصورت اور دلکش ہے۔ اسی مختصر سی لیکن انوکھی نظم کو پڑھ کر اقبال کے افکار و خیالات کا علم اور احساس ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کی شاعرانہ صنعت گری سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ لہذا بہ حیثیت مجموعی یہ نظم ایک کامیاب نظم کہی گئی ہے۔

سوال نمبر ۵ نظم "ساقی نامہ" کا فکری و فنی جائزہ لیجئے؟

جواب: "ساقی نامہ" اقبال کی طویل نظم میں سب سے اہم ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ اس میں اقبال کے مخصوص تصورات و نظریات اور دل نواز موسیقی شعریت کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔

یہ نظم گویا اقبال کے سارے نظریات کا نچوڑ ہے۔ اس کے باوجود اس میں موسیقی اور شعریت کا ایسا خوشگوار منظر ملتا ہے۔ نظم نگاری میں "ساقی نامہ" کی روایت نئی نہیں ہے۔ اس سے مراد ایسی نظم ہے جس میں شراب کا تذکرہ کرتے ہوئے بے خودی طاری کی جاتی ہے۔ اور اسی بے خودی کا سہارا لے کر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ اقبال نے بھی قوم کو سمجھانے کے لیے ایک حسین و دلکش منظر تیار کر کے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"ساقی نامہ" کا پہلا بند روایتی انداز کا ہے۔ اس حصے میں قاری کے ذہن کو موسم بہار کی منظر کشی کے ذریعے آئندہ دیئے جانے والے پیغام کو قبول کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اقبال بھی بے خودی کے لیے شراب طلب کرتے ہیں، مگر وہ شراب نہیں جس سے سفلی جذبات پیدا ہوں بلکہ یہ عرفانِ خودی اور عرفانِ ذات کی شراب ہے۔

وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات
وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات

دوسرے بند میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے نئے زمانے کی آمد آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ نیا زمانہ مشرق کی برتری کا زمانہ ہوگا اور مسلمانوں کی حالت میں بھی انقلاب رونما ہوگا۔

تیسرے بند میں اقبال نے ماضی کی طرف لوٹنے اور دیرینہ روایات کو دہرانے کی آرزو کی ہے کیونکہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر ہی کھوئی ہوئی شان و شوکت حاصل کی جا سکتی ہے۔

چوتھے اور پانچویں بند میں زندگی کی ماہیت کا بیان ہے۔ اقبال نے زندگی کو حرکت و عمل سے عبارت قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو بھی سرگرم ہونے کا مشورہ دیا ہے کہ وہ زندگی میں کامیاب ہو سکیں۔ حرکت و عمل کی قوتیں اسی وقت ظاہر ہوں گی۔ جب انسان تربیتِ خودی کے مراحل سے گزرے گا اسی لیے چھٹے اور ساتویں بند میں اقبال نے خودی کی مختلف خصوصیات کو تشبیہوں کی مدد سے بیان کرتے ہوئے تعمیر و تربیتِ خودی کا مشورہ دیا ہے۔ یہ پیغام دینے کے بعد کہ

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

اقبال کو یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان کا خاموش ہو جانا بہتر ہے۔ اس لیے وہ سعدی کے اس شعر پر بات ختم کر دیتے ہیں کہ

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

اقبال کی یہ نظم ان کے بیشتر ناقدین کی نگاہ میں بہترین صوری اور معنوی خوبیوں کی حامل ہے اس کی نمایاں ترین خصوصیات ان کا سہل اور رواں اندازِ بیان ہے۔ اقبال کی مشکل ترین فلسفہ خودی کا اردو میں پہلی بار اظہار اسی نظم میں ہوا ہے۔ اس کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ خیالات و جذبات کا ایک دریا ہے جو شعریت اور موسیقیت کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ تمام بند ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان میں آمد کی بہترین کیفیت موجود ہے۔ بلاغت کی مثالیں بھی یہاں مل جاتی ہیں جیسے کہ

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

لیکن اصل کمال یہ ہے کہ الفاظ کے بہترین انتخاب سے اقبال نے بعض مناظر کی چلتی پھرتی تصویریں ہمارے سامنے پیش کر دی ہیں مجموعی طور پر یہ نظم شعر و فلسفہ کا حسین ترین امتزاج ہے۔

سوال نمبر۱ اقبال کی نظم "فرمانِ خدا" کا جائزہ لیجیے!

جواب: اقبال کی نظم "فرمانِ خدا" "لینن خدا کے حضور میں" اور "فرشتوں کا گیت" کے ساتھ مل کر ایک مکمل کیفیت کا احساس دلاتی ہے۔
اقبال نے اپنی بہت سی کامیاب نظمیں لکھی ہیں۔ ان نظموں میں "فرمانِ خدا" بھی ان کی ایک کامیاب نظم ہے۔
اقبال کی یہ نظم اس سلسلے کی آخری کڑی ہے جس میں دیگر دو نظمیں "لینن خدا کے حضور میں" اور "فرشتوں کا گیت" شامل ہیں۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ اس نے تینوں نظموں کے لہجے میں نظموں کی نوعیت کے اعتبار سے فرق قائم رکھا ہے۔ لینن کا انداز اعترافِ حقیقت کا ہے۔ اس کے لہجے میں کچھ عاجزی و انکساری کے ساتھ فریاد کا رنگ بھی ہے۔ اس نے ایک نکتہ پیش کیا ہے کہ

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں — ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

فرشتوں نے اس بیان کو اپنے گیت میں قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے اور جو خدا کا فرمان سامنے آیا۔ اس فرمان کے سلسلے میں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ اقبال اشتراکیوں کے برعکس مذہب سے بیگانہ نہیں، اس کے باوجود وہ پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھانے کا حکم خدائی فرمان سے اس لیے دیتے ہیں کہ وہ ان گمراہ مذہبی رہنماؤں کو خالق و مخلوق کے درمیان ایک دیوار سمجھتے ہیں۔ ابتدائی دو نظموں کے مقابلے میں یہاں لہجہ فطری طور پر بلند آہنگ ہے کیونکہ یہ نہ تو درخواست ہے نہ گیت، بلکہ فرمان ہے۔ اس میں جلالِ الٰہی کا رنگ نمایاں ہے اس کی لفظی آہنگی بہرحال خالص اشتراکی نظموں کے پرشور اور جارحانہ لب و لہجے سے الگ ہے۔ بقول کلیم الدین احمد اقبال جذبات میں بہہ نہیں گئے ہیں بلکہ ان و سلیقے سے پیش کیا ہے۔
نظم کے دوسرے حصے میں "کنجشکِ فرومایہ" کی خوبصورت ترکیب اقبال کے فن کا ثبوت ہے۔ غریبوں کی مجبوری و بے بسی کے لیے اس سے بہتر مثال شاعری میں شاید کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ بعض خوبصورت ترکیبیں بھی موجود ہیں۔ نظم میں زورِ بیان کے ساتھ ساتھ شوکت اور پیغام کا اچھا امتزاج ملتا ہے۔

سوال نمبر۲ اقبال کی نظم "جبریل و ابلیس" کا فکری و فنی جائزہ لیجیے:

جواب: فکر و فن کے لحاظ سے اقبال کی معرکۃ الآرا نظموں میں سے ایک نظم "جبریل و ابلیس" بھی ہے۔ بظاہر دو بچھڑے ہوئے دوستوں کا ایک مکالمہ ہے۔ دونوں دوستوں کے نقطۂ نظر میں کافی فرق ہے۔ ایک کا ایمان خدا پر ہے اور دوسرے کا ایمان خود اپنی ذات پر۔ ایک فرشتہ ہے اور دوسرا شیطان۔ اسلئے یہ نظم کا مکالمہ دلچسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ ان دونوں کی گفتگو کے ذریعے حیات و کائنات کے بنیادی مسائل کو خیر و شر کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
اس نظم میں ایک کردار جبریل اور وہ اپنے پرانے دوست ابلیس سے سوال کرتے ہیں کہ دنیائے رنگ و بو کیا ہے؟ سوال کے جواب میں ابلیس انتہائی مختصر طور پر یہ کہتا ہے کہ دنیا اور اس کی کیفیت یہ کہانی سوز و ساز و درد و داغ اور جستجو و آرزو کی کہانی ہے۔ جبریل و ابلیس کے یہ مکالمے مختلف زاویے سے مختلف نقطۂ نظر کو پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ جبریل کی یہ دعوت کہ ابلیس فرشتوں کی دنیا میں واپس آ جائے ابلیس کو متاثر نہیں کرتی اور وہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ فرشتوں کی دنیا میں جا کر وہ اپنی ذات کی خودداری کو ختم نہیں کر سکتا۔
جب جبریل فرشتوں کی عزت و آبرو کی دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابلیس کے انکار کی وجہ سے خدا کی نظر میں فرشتوں کی عزت کم ہو گئی ہے تو اسی پر ابلیس یہ جواب دیتا ہے کہ اگر خدا کی نظر میں ان کی عزت کم ہوتی ہے تو یہ اتفاق سا ہے خود اس کی ذات کی وجہ سے حیات و کائنات کی رونق دو بالا ہو گئی ہے۔

ابلیس کی شخصیت ساری دنیا میں بے مثال ہے کیونکہ اس کے اندر برباد کرنے کی اتنی صلاحیت موجود ہے کہ اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابلیس دنیا میں خالق ہے جہاں خود الیاس علیہ السلام بے دست و پا ہوتے ہیں وہاں ابلیس اپنی طاقت سے نئے نئے گل کھلاتا ہے۔ اس طرح جبریل کو ابلیس پر سمجھاتا ہے کہ فرشتوں کی زندگی اللہ کی عبادت کے لئے وقف ہے جب کہ ابلیس کی وجہ سے خدا کا دل میں کھٹکتا رہتا ہے۔

اس نظم میں دو ہی مکالمے ہیں۔ دو کردار گفتگو کرتے ہیں لیکن یہ دونوں جس طرح محو گفتگو ہیں اس سے صاف فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ مکالمے کے رنگ و روپ سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ فضا کیسی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں پرانے دوست دنیا سے دور آسمان میں کہیں بات چیت کر رہے ہیں۔ کچھ الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں جن سے ارضی فضا کی تعمیر ہو جاتی ہے جس بنا پر اس نظم میں ڈرامائیت نمایاں ہونے لگتی ہے۔ اس ڈرامائی فضا سے اس نظم کا فنی حسن نکھر جاتا ہے۔ یہ کردار روایتی ہیں ان کا مذہب میں بڑا نام ہے۔ جبریل ایک فرشتے ہیں اور ابلیس ایک شیطان اس کی شخصیت اپنی انتہائی بلندی پر ہے۔ اس روایتی پس منظر میں کردار کو ابھارنے کی کوشش اقبال نے کی ہے۔ اس لئے کہ جبریل کی گفتگو میں سنجیدگی جامد و جامع انداز و لہجہ میں ابلیس سے سوال کرتے ہیں۔ ہمدم دیرینہ کیسا ہے جہان رنگ و بو

اس سوال میں انتہائی متانت ہے اس میں خیر خواہانہ رویہ بھی ہے جان بوجھ کر انجان بننے کی لطافت بھی ہے۔ اس سوال میں محبت کا وہ حق بھی موجود ہے جو ایک بچھڑے ہوئے دوست کو دیکھ کر دل میں ابھرتا ہے۔ جبریل کے مکالمے اس مختصر سی نظم میں مختصر ترین ہیں۔ گیارہ شعر کی اس نظم میں دو مختصر مکالمے جبریل کے مکالمے ہیں ایک مصرعہ پر درج کیا گیا ہے اور دوسرے میں دو اشعار ہیں جو

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو — کیا یہ ممکن ہی نہیں کہ تیرا دامن ہو رفو

کھو دئیے انکار سے تو نے مقامات بلند — چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

اس طرح جبریل تین مصرعے استعمال کرتے ہیں اور تین مکالمے جبریل کے جواب کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔ ابلیس کا جواب کچھ ایسا تلخ اور تیکھا ہوتا ہے کہ قاعدے کے مطابق اس کا کوئی نہ کوئی رد عمل جبریل پر ہونا چاہئے تھا لیکن جبریل ابلیس کے تند و تیز لب و لہجہ کو نظر انداز کرتے ہوئے انتہائی متانت اور شرافت سے ابلیس پر محبت کی بارش کرتے چلے جاتے ہیں۔ ابلیس نے جس حسن کیفیت کے ساتھ جہان رنگ و بو کا حال بتایا تھا اس کے پس منظر میں جبریل کا مطالعہ انتہائی قابل غور ہے۔

جبریل یہ محسوس کرتے ہیں کہ ابلیس دنیا کی لذتوں میں کھویا ہوا ہے۔ اس کو دعوت حق دینے کے لئے جبریل کے پاس کچھ نہیں ہے سوائے اس کے ابلیس کی خاطر سارے فرشتے محبت کی بارش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابلیس کا تذکرہ فرشتے ہر دم ہر گھڑی کرتے رہتے ہیں۔ بڑی محبت سے یہ دعوت دیتے ہوئے جبریل اسے تقدس کے ساتھ لب و لہجہ کا وقار برقرار رکھتے ہیں۔

آخری مکالمہ جبریل کے سلسلے میں ہے کہ ابلیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے نافرمانی کر کے خدا کی نظروں میں فرشتوں کو گرا کر دیا۔ اس مکالمے کے پس منظر میں ابلیس کا وہ جواب ہے جس میں وہ اپنی انا کا اظہار کرتا ہے۔ جبریل کے مکالمے میں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جبریل خود پرستی سے گریز کرتے ہیں اور ان کے نزدیک شخصیت کا وقار یہ ہے کہ وہ ذات باری میں ضم ہو جائے۔ جو ابلیس کی شخصیت اس نظریے کی نفی کرتی ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ فرشتوں کی سربراہی جب اس سے چھین لی گئی تب اسے معلوم ہوا کہ اس کی اپنی ہستی کیا ہے

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے — قصہ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہاں پر ابلیس کے کردار پر اقبال کا کردار چھا جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یا پھر یہ ممکن ہو کہ اپنا ہونا جانے سے وہ تخلیق کرتا ہو جس کے بعد کوئی عظیم کارنامہ ظہور میں آتا ہے پھر بھی یہ کھٹک باقی رہ جاتی ہے کہ ابلیس کی خود پرستی اس کا فخر ہے مگر یہ ذات کا تخلیقی قوت سے الگ طرح ہو سکتا ہے۔ باوجود اس کے لاکھوں سے برا ہو ابر لطف احسان نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ احساس قدروں کا احساس ہے جو قدروں جن کے ذریعہ خیر پیدا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ اقبال کی یہ نظم ان کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے جس میں انتہائی کامیاب انداز سے فکر و فن کے جادو جگائے گئے ہیں۔